ماضی کے جھروکے سے (قسط ۷) تحریر: محمد یعقوب اختر ترتیب: شیخ عبدالمجید احرار

احرار اور تحریک تحفظ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی خاکستر سے جہاں ملت فروش، ملک دشمن، انگریز پرست اور قومی غداروں نے جنم لیا وہاں انکے مقابل اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے حق کے نقیب، اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے علمبردار، آزادی کے متوالے اور حضور اقدس ﷺ کی ناموس کے رکھوالے "احرار" پیدا ہوئے۔ احرار اکابرین حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، چودھری افضل حق، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا محمد گلشیر شہید، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، آغا شورش کاشمیری، احسن عثمانی، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری، مرزا غلام نبی جانباز، مولانا مجاہد الحسینی، صاحبزادہ فیض الحسن شاہ، مولانا عبید اللہ احرار، جناب صوفی عبدالرحیم نیازی، سردار محمد شفیع، چودھری معراج الدین، غازی محمد حسین اور دیگر ان گنت رضا کارانِ احرار میں استخلاصِ وطن اور آقائے تاجدار حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی عترت و ناموس اور تحفظ ختم نبوت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ انگریز اپنے حکومتی جاہ وجلال، کروفر، اپنی طاقت کی بدمستی اور قاہرانہ جبر و تشدد کے باوجود احرار کے مفلس و نادار، بے سروسامان اور غریب رضا کاروں کو نہ ہراساں کرسکا، نہ دبا سکا نہ جنس بازار بنا کر خرید ہی سکا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب منڈی میں ضمیر فروش بڑے بڑے جاگیردار، نواب، وڈیرے اور سرمایہ دار اپنی عزت و ناموس تک کا نیلام اپنی دستار کے جعلی طرۂ امتیاز کو اونچا رکھنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ فوج و پولیس کا ظلم و ستم، بندوقوں کی گولیاں۔ لاٹھیوں کی مار جیلوں کی تنگ و تاریک کچی کوٹھڑیاں احرار والوں کو اعلائے کلمۃ الحق سے باز رکھنے میں ہمیشہ ناکام رہے۔ جب بھی احرار رہنماؤں اور رضا کاروں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ وہ انکے جذبوں اور حوصلوں کے لئے مہمیز کا کام کر گیا۔ اور انگریز حکومت اور اسکے ذلہ خواروں کے ہاتھ سوائے ندامت و پشیمانی کے کچھ نہ آیا۔

احرار اتنے جری اور بہادر تھے کہ عدالت کا کٹہرا اور فرنگی کا دبدبہ انکو حق اور سچ کہنے سے نہ روک سکا۔ احرار انسان ہونے کے ناطے کسی دنیاوی معاملہ میں غلطی تو کر سکتے تھے لیکن حضور اقدس ﷺ کی حرمت اور ختم نبوت کے تحفظ کے لئے سارقانِ ختم نبوت مرزائیوں کے تعاقب میں کبھی کسی کوتاہی کے مرتکب نہ ہوئے۔ نہ ہی اس معاملہ میں کسی کو انھوں نے معاف ہی کیا۔ بلکہ اس مسئلہ پر جان مال اور عزت تک کی بازی لگانے پر تیار رہے۔ احرار کا اس نقطہ پر وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ باغیانِ ختم نبوت کے خلاف ہر ظلم و جبر کا

مردانہ وار مقابلہ اپنے ایمان کی تکمیل کا جز سمجھتے تھے اور ان قربانیوں کا صلہ داورِ محشر پر چھوڑ دیتے کہ جس دن کچھ چہرے سیاہ اور کچھ نورانیت سے سفید ہوں گے۔

۱۹۵۳ء میں مسلم لیگی قیادت کی ناعاقبت اندیشی اور اسکی حکومت کی کوتاہ نظری، سیاسی تعصب اور مخالفانہ رویہ نے تحفظ ختم نبوت جیسی مقدس تحریک کو اپنی جھوٹی انا کی بھینٹ چڑھا دیا۔ پولیس اور انتظامیہ کے اعصاب جب بھیرے ہوئے عوام کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے۔ تو پھر فوج کو اپنے ہی شہریوں کے مقابل لاکھڑا کرنے کی حماقت کی۔ جس کے نتیجہ میں کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اور گلے میں قرآن پاک حمائل کئے ہوئے ہزاروں بے ضرر اور نہتے مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنا کر خاک و خون میں تڑپا دیا گیا۔ مزید ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کو پابند سلاسل کر دیا گیا لیکن مرکزی حکومت پاکستان اور صوبائی حکومت پنجاب کے کارپرداز جو بزعم خود مارشل لاء کے سہارے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ تحریک کو ہم نے ختم کر دیا۔ لیکن ہوا کیا جس اقتدار اور حکومت کو بچانے کے لئے یہ ظلم و ستم کیا گیا تحریک کے سیلاب، میں دونوں حکومتیں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں۔ اور انکے کارپرداز اپنی موت تک اپنے زخم سہلاتے رہے جو مندمل نہ ہو سکے۔

اسی کس مپرسی کے عالم میں حکومت نے منیر انکوائری کورٹ کے نام سے نام نہاد تحقیقات کا ڈول ڈالا جس میں اور کچھ ہوا یا نہ ہوا لیکن دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ مکتبہ فکر کے تنظیم اور نام ور علماء گرامی قدر، مفتیان عظام اور مجتہدین کو تضحیک کا نشانہ بنایا گیا اور انکے علم و مرتبہ کا خیال کئے بغیر انکی عزت و توقیر کو کم کرنے کی شعوری یا غیر شعوری بھرپور کوشش کی گئی۔

مولانا مظہر علی اظہر منیر انکوائری کمیشن میں:

تحریک میں شامل جماعتوں نے اپنے اپنے وکیل منیر انکوائری کورٹ میں اپنے اپنے کیس پلیڈ کرنے کے لئے مقرر کئے۔ مجلس عمل کی طرف سے حسین شہید سہروردی مرحوم مقرر ہوئے۔ جبکہ حقیقتاً کیس مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش نے لڑا۔ مگر شومئ قسمت کہ حکومت کی احرار دشمنی کے باعث مجلس احرار اسلام کی وکالت کے لئے کوئی بڑا وکیل جرأت نہیں کر رہا تھا۔ لاہور جیل میں حضرت امیر شریعت کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے مولانا مظہر علی اظہر صاحب ایڈووکیٹ کو پیغام بھیجا کہ وہ مجلس احرار اسلام کی وکالت کی ذمہ داری سنبھالیں نیز فرمایا کہ بھائی مظہر علی اظہر جیسا بہادر، تجربہ کار اور صاحبِ بصیرت ہی اس آڑے وقت میں یہ فریضہ انجام دے سکتا ہے۔

چنانچہ مولانا نے شاہ جی اور دوسرے احرار رہنماؤں کے پیغام پر لبیک کہتے ہوئے بخوشی یہ ذمہ داری قبول کر لی اور انکوائری کورٹ میں مجلس احرار کی طرف سے پیش ہو گئے۔ مولانا مظہر علی اظہر نہ صرف پنجاب ہائی کورٹ کے معزز و محترم وکیل تھے بلکہ وہ مجلس احرار اسلام کے باقی رہنماؤں میں سے تھے۔ نہایت شریف

الطبع درویش صفت اور سادہ وضع قطع کے دبلے پتلے بارئش عظیم انسان تھے۔ ۱۹۴۲ء تک آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے مرکزی جنرل سیکرٹری رہے۔ اس وقت ملک میں انکا طوطی بولتا تھا۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے رہنما انکی خطابت کے سامنے ٹھہرنے کا یارانہ رکھتے تھے۔ ان کے سیاسی حملہ سے بڑے سے بڑا جغادری لیڈر بھی لرزاں و ترساں رہتا تھا۔ ان کی جوابی تقریر کا تو بہت ہی شہرہ تھا۔ اتنی مدلل اور پر مغز تقریر ہوتی جس سے بڑے بڑے لیڈروں کے دانت کھٹے ہوجاتے اور وہ خاموشی میں ہی عافیت سمجھتے۔

تحریک کشمیر ۱۹۳۰ء میں سب سے پہلے مولانا گرفتاری پیش کر کے بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئے جس کے پیچھے زبردست طوفاں آیا۔ جس میں چالیس ہزار سے زائد مسلمانوں نے احرار کے پرچم تلے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ اس وقت تک کانگریس جیسی بڑی جماعت بھی اتنی عظیم قربانی پیش نہیں کر سکی تھی۔ علاوہ ازیں بہت سے لوگ جام شہادت نوش کر کے جنت مکیں ہوئے۔

تحریک مدح صحابہ بھی مولانا مظہر علی اظہر مرحوم کی قیادت میں مجلس احرار اسلام نے چلائی اور سب سے پہلا جتھہ لے کر مولانا ہی لاہور سے لکھنؤ گئے اور مدح صحابہ کہتے ہوئے گرفتار ہوئے۔

۱۹۳۶ء کے انتخابات میں مجلس احرار اسلام کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔

مولانا مظہر علی اظہر مرحوم کا آبائی شہر بٹالہ ضلع گرداس پور (انڈیا) تھا۔ بٹالہ تحصیل میں ہی قادیان واقع تھا اسلئے بٹالہ شہر احرار کا بہت قلعہ تھا۔ وہاں کے مسلمان احرار کے پرچم تلے مرزائیت کے خلاف ہمہ وقت مصروف جہاد رہتے مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے بٹالہ کے مسلمانوں کے جذبۂ اسلامی سے متاثر ہو کر مندرجہ ذیل اشعار میں انکو خراجِ تحسین پیش کیا تھا۔

بٹالہ میں اسلام کا زور بازو
حریفوں کے چھکے چھڑایا کریگا
دیکھلایا کرے گا جلال محمد
علم قادیاں کا جھکایا کرے گا

حاجی عبدالغنی بٹالوی صدر ضلع مجلس احرار اسلام کی مرزائیوں کی سازش سے شہادت پر مفکر احرار چودھری افضل حق نے ایک عظیم احتجاجی جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے بٹالہ کے مسلمانوں کی ان الفاظ میں تعریف کی تھی۔ ''کیا تم اپنے آپ کو خوش قسمت انسان نہیں سمجھتے کہ تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ اسلام کی سب سے بڑی خدمت لے رہا ہے''

(جلسہ منعقدہ ۸ اپریل ۳۸ء)

(شہادت حاجی عبدالغنی صاحب ۲۷/۲۸ فروری ۱۹۳۸ء)

مولانا مظہر علی اظہر اسی بٹالہ شہر کا باسی ہونے اور مجلس احرار اسلام سے وابستگی کی وجہ سے انگریز کی

خانہ ساز نبوت اور قادیانیوں کے دجل و فریب سے مکمل طور پر آگاہ تھے اسی وجہ سے دوسری جماعتوں کے وکلاء صفائی مولانا سے وقتاً فوقتاً رہنمائی لیتے رہتے تھے۔ نیز جی ڈی کھوسلہ سیشن جج گورداس پور کی عدالت میں جب حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مشہور مقدمہ زیر سماعت تھا۔ اور جسکے تاریخی فیصلہ نے پہلی بار عدالت کے ذریعہ مرزائیوں کے جھوٹ کا پھول کھول کر تقدس کے اوڑھے ہوئے جھوٹے نقاب کو اتار پھینکا، جس سے پڑھا لکھا طبقہ پہلی بار مرزائیوں کے دجل و تلبیس اور طریقۂ واردات سے آگاہ ہوا اسی مقدمہ میں مسٹر جسٹس منیر بطور سرکاری وکیل اور مولانا مظہر علی اظہر حضرت امیر شریعت کی طرف سے ایک دوسرے کے مدمقابل پیش ہو چکے تھے۔ انکوائری کورٹ دو ججوں پر مشتمل تھی۔ جس میں آنجہانی جسٹس منیر سربراہ اور دوسرے جج ایم آر کیانی ممبر تھے۔ نامعلوم وجوہ کی بناء پر عام لوگوں کا تاثر یہی تھا کہ جسٹس منیر مولانا مظہر علی اظہر سے کچھ کھچے کھچے سے رہتے اور اکثر مولانا کو اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دینے میں معاندانہ رویّہ اختیار کرتے۔ ایک دن دوران سماعت جبکہ ماسٹر تاج الدین انصاری کا بیان جاری تھا مسٹر جسٹس منیر نے اچانک یہ غیر متعلقہ سوال کر کے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ کہ مولانا آپ نے قائداعظم کو کافراعظم کہا تھا۔

مولانا مظہر علی اظہر نے کہا کہ میں اس انکوائری میں کوئی فریق نہیں ہوں بلکہ مجلس احرار اسلام کا وکیل ہوں۔ اس لئے آپ کا مجھ سے یہ سوال خلاف ضابطہ ہے۔ نیز اسکا انکوائری سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے میں درخواست کروں گا کہ آپ صرف انکوائری کے فرق کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

لیکن مسٹر جسٹس منیر اپنے سوال کے جواب کے لئے مصر رہا۔ اور آخر میں صاف صاف کہہ دیا کہ یہ کورٹ کا حکم ہے کہ پہلے اس سوال کا جواب آپکو دینا ہی ہو گا۔ ماسٹر جی نے بھی ٹالنے کے لئے کہا کہ جناب عالی یہ الیکشن کی باتیں الیکشن کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن جسٹس منیر نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آتے ہوئے پھر مولانا سے جواب مانگا۔

تو مولانا کی احراری حس جاگ اٹھی، فرمایا: بہتر ہوتا کہ آپ عدالتی طریق کار میں رہتے لیکن اگر آپ اس پر ہی بضد ہیں تو سن لیں کہ یہ قیام پاکستان سے قبل انتخابات کی بات تھی جو وقت کے ساتھ رفت گذشت ہو چکی ہے اگر آپ گڑے مردے اکھاڑنا ہی چاہتے ہیں تو سن لیں کہ قائداعظم محمد علی جناح جس فرقے کے ایک فرد تھے میں اسکا عالم اور مفتی ہوں اس کی تصدیق اپنے ساتھی جسٹس کیانی صاحب سے آپ کر سکتے ہیں۔ یہ بات کہتے ہوئے مولانا مظہر علی صاحب نے مسٹر جسٹس کیانی کی طرف اشارہ کیا جس پر کیانی صاحب نے سر کی جنبش سے مولانا کی بات کی تائید کی۔ لیکن جسٹس منیر خاموش رہا جسکا مطلب تھا کہ بات جاری رہے۔ تو مولانا نے کہا کہ قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی کی ایک پارسی المذہب عورت رتی بائی سے سول میرج لا کے تحت شادی کی تھی جس پر میں نے کہا تھا۔

اک کافرہ عورت کے لئے دین کو چھوڑا یہ قائداعظم ہے کہ کافرِ اعظم۔

اور مرحوم نے اپنی زندگی میں اس کی تردید نہیں کی تھی اس لئے میں اس سے رجوع نہیں کر سکتا اور اسی پر ہی قائم ہوں۔ میں نے تب بھی پوری جرأت سے کہا تھا اور آج بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر آیا ہوں۔ یہ بات سن کر عدالت ہال میں سناٹا چھا گیا۔ جسٹس منیر کرسی سے اچھلا اور کہا کہ مسٹر مظہر علی آپکو بانیٔ پاکستان کے متعلق اس جرأتِ اظہار پر خوف نہیں آیا؟ اب اگر آپ قتل کر دیئے جائیں تو؟ وہ مرد درویش بھلا کہاں رکتا اور خاموش رہتا۔

فوراً جواب دیا کہ یہ شعر میں لاکھوں کے اجتماعات میں ہندوستان کے بہت سے شہروں میں اپنی تقاریر میں کہتا رہا ہوں۔ لیکن مجھے روکنے ٹوکنے کی کسی نے بھی جرأت نہ کی تھی۔ اب اگر میں قتل ہوا تو اس کی ذمہ داری عدالت پر ہوگی۔ جس پر جسٹس منیر سٹ پٹا کر رہ گیا، پیشانی سے پسینہ پونچھا، فوراً کرسی سے اٹھا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ میاں محمد عالم بٹالوی ہائیکورٹ سے مولانا کے ساتھ ہی ان کے گھر گئے۔ وہاں یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ گھر والوں نے پوچھا آج آپ یہ کیا کر آئے ہیں۔ آپنے بچوں کے مستقبل کا بھی خیال نہیں کیا۔ تو مولانا نے کہا کہ میں اسوۂ حسینی پر عمل کر کے آیا ہوں۔ اب جو ہونا ہے ہو جائے۔ میں کسی کے لئے ڈر یا خوف سے مرعوب ہو کر حق کو حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔

میاں محمد عالم بٹالوی مرحوم ہی کی روایت کے مطابق جب مولانا مظہر علی اظہر مرض الموت میں مبتلا تھے تو میں انکی عیادت کے لئے لاہور گیا۔ ہسپتال میں بستر پر لیٹے ہوئے تھے میں انکے سر بالیں کھڑا تھا۔ اور مولانا لیٹے لیٹے جلدی جلدی کلمۂ طیبہ کا ورد کر رہے تھے اور اسی حالت میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے انا للہ وانا الیہ راجعون! رہے نام اللہ کا نماز جنازہ ولی کامل حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ نے پڑھائی اس طرح ایک سچی زبان ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی!

جس دن مولانا مظہر علی اظہر مرحوم نے منیر انکوائری کورٹ میں قائداعظم کے بارے میں جسٹس منیر کی تسلی کے لئے سچ کا اظہار کیا دوسرے روز ملک کے تمام اخبارات میں یہ خبر جلی سرخیوں کے ساتھ شائع ہو گئی۔ کچھ دنوں بعد قطب زماں حضرت مولانا شاہ عبد القادر پوری قدس سرہ اپنے چند متوسلین کے ہمراہ مولانا مظہر علی اظہر کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے اور انکی جرأتِ ایمانی کی داد ان الفاظ میں دی "مولانا آپنے تمام علماء کی لاج رکھ لی ہے، اللہ آپکو جزائے خیر دے۔"

ماسٹر تاج الدین انصاری لدھیانوی:

ماسٹر جی لدھیانہ جیسے مجاھدوں کے شہر کے باسی تھے جہاں کے علمائے کرام نے ۱۸۵۷ء کے پرخطر دورِ انحطاط وابتلاء میں جب علمائے حق کے لئے ہر طرف پھانسیاں اور کال کوٹھڑیاں تھیں جابر و قاہر انگریز حکومت کے

خلاف جہاد کا فتویٰ دیکر علم بغاوت بلند کیا۔ اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔ جس سے پورے ملک میں جہاد کی روح تازہ ہو گئی تھی۔

جب ماسٹر جی مجلس احرار اسلام میں شامل ہوئے میونسپل کمیٹی لدھیانہ کے معزز رکن تھے۔ خوبصورت سرخ و سفید چہرہ پر سیاہ داڑھی شربتی اور متحرک و متجسس آنکھیں انکی ذہانت و قابلیت کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ منحنی اور دبلے پتلے جسم کے ساتھ تیز دماغ کے زیرک ترین رہنما تھے۔ نیلوفری ٹھنڈی طبیعت کے مالک تھے۔ میٹھی میٹھی باتوں سے مخالف کا دل بھی موہ لیتے اور اپنی مسحور کن گفتگو سے مخاطب کو ایسا جکڑ لیتے تھے کہ اسکو اپنی بے مائیگی کا احساس اس وقت ہوتا جب وہ چاروں شانے چت ہو چکا ہوتا یوں سمجھیئے کہ

زم دم گفتگو گرم دم جستجو

کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ احرار میں شامل ہوئے تو اپنے ان ہی اوصاف کی وجہ سے جلد ہی مجلس احرار اسلام کے صف اوّل کے رہنماؤں میں نظر آنے لگے۔ چودھری افضل حق ان کی ذہانت کے معترف تھے اور جب بھی جماعت پر کوئی نازک مرحلہ آیا تو اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے چودھری صاحب کی نظرِ انتخاب ہمیشہ ماسٹر جی پر ہی پڑی!

۳۴ء میں مجلس احرار اسلام نے قادیانیوں کے دجل و تلبیس اور انکی اسلام کے خلاف بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں کا محاسبہ کرنے کیلئے دائرہ وسیع کرنے کی ٹھانی تو چودھری صاحب نے اپنے اس نابغہ روزگار ساتھی ماسٹر تاج الدین انصاری کو لاہور بلا کر قادیان میں متعین کیا تاکہ قادیان جہاں فرنگی حکومت نے اپنے خود کاشتہ پودے کی بے جا ناز برداریاں کر کے شُتر بے مہار کر دیا تھا۔ انکو لگام دی جاسکے! وہاں پر مجلس احرار اسلام کا دفتر قائم کر کے منارۃ المسیح کے زیر سایہ ہونیوالے ظلم و ستم اور وہاں کے لوگ جنکی زندگی قادیانیوں نے اجیرن بنا رکھی تھی اور بیچارے ایک باجگزار مظلوم رعایا کے طور پر کسمپرسی کی حالت میں دوسرے نمبر کے شہریوں سے بھی بدتر زندگی گذارنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔ حتیٰ کہ مرزائیوں کی مرضی کے خلاف کوئی شخص قادیان میں رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ قادیان کی حالت اسوقت کیا تھی۔ چنانچہ جی۔ ڈی کھوسلہ سیشن جج گورداسپور (انڈیا) نے شاہ جی کی ایک اپیل کے فیصلہ میں قادیان کی حالت پر اپنے فیصلہ میں تحریر کیا ہے! کہ چودھری فتح محمد کا عدالت میں یہ اقرار صالح یہ بیان کرنا تعجب انگیز ہے کہ اس نے محمد امین کو قتل کیا مگر پولیس اس معاملہ میں کچھ نہ کر سکی جس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ مرزائیوں کی طاقت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ گواہ سامنے آکر سچ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ہمارے سامنے عبدالکریم کے مکان کا واقعہ بھی ہے کہ عبدالکریم (مباہلہ) کو قادیان سے خارج کرنے کے بعد اسکا مکان نذرِ آتش کر دیا گیا، اور قادیان کی "سمال کمیٹی" نے حکم کر کے نیم قانونی طور پر اسے گرانے کی کوشش کی۔

یہ افسوسناک واقعات اس بات کی "منہ بولتی شہادت" ہیں کہ قادیان میں "قانون کا احترام" بالکل اٹھ

چکا تھا، آتش زنی اور قتل تک کے واقعات ہوتے تھے، مرزا کا کروڑوں مسلمانوں کو شدید دشنام طرازی کا نشانہ بنانا اسکی تصانیف "اسقف اعظم" کے اخلاق کا انوکھا مظاہرہ ہیں جو صرف نبوّت کا مدّعی نہ تھا؟ بلکہ خدا کا برگزیدہ انسان اور مسیح ثانی ہونے کا مدّعی تھا۔ معلوم ہوتا ہے قادیانیت کے مقابلہ میں حکام غیر معمولی حد تک مفلوج ہو چکے تھے۔ ماخوذ (مشاہدات قادیان صفحہ نمبر ۱۴۹ مصنفہ مولانا عنایت اللہ چشتیؒ)

فیصلہ جی ڈی کھوسلہ:

لہٰذا ان حالات میں ماسٹر تاج الدین انصاری نے تقریباً دو سال سے زیادہ عرصہ قیام کر کے وہاں پر پہلے سے موجود مجلس احرار اسلام کے مبلغ مولانا عنایت اللہ چشتی کو ساتھ لیکر ایسا تانا بانا بُنا کہ چند ماہ کے اندر اندر مسلمانوں بلکہ ہندو اور سکھوں میں بھی ایک ہمت اور حوصلہ پیدا ہو گیا۔ جس سے وہ مرزائیوں کے منہ آنے لگے۔ حتیٰ کہ قادیان کے ایک غریب خاکروب کے بیٹے محمد حنیف نے مرزا غلام احمد کے خاندان کے ایک فرد مرزا شریف احمد کو بھرے بازار میں دن دہاڑے جھاڑو ٹانگوں میں پھنسا کر زمین پر گرایا اور اسکی دبر پر جھاڑو مار مار کر ہلکان کر دیا اور سخت بے عزت کیا یہ سب کیا دھرا ماسٹر جی کا تھا کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ جب مرزا غلام احمد کاذب کی ذریت کا کوئی بھی فرد بازار میں نکلتا ہے تو لوگ دو رویہ کھڑے ہو کر سلامی دیتے ہیں۔ دوکاندار سرو قد کھڑے ہو جاتے کیونکہ ان کو بتایا گیا تھا کہ یہ سب شعار اللہ ہیں (اللہ کی نشانیاں) ماسٹر جی نے اس جھوٹے تقدس کو توڑنے کے لئے یہ کارروائی کر دی! اور اس تدبیر اور کارروائی سے پہلی مرتبہ ذلت و خواری کا مرزائیوں کو منہ دیکھنا پڑا۔ جس سے جھوٹی نبوت کے تقدس اور مرزا محمود کی خلافت کو ایک زبردست دھچکہ لگا۔ دوسرا عجیب واقعہ حضرت امیر شریعت کی قادیان میں داخلہ پر یکے بعد دیگرے پابندی تھی۔ جس کی وجہ سے حضرت امیر شریعت کو قادیان کی سرزمین میں اسلام کی تبلیغ سے محروم رکھا جا رہا تھا تا کہ مرزائیوں کے جھوٹ وافتراء کا پول نہ کھل جائے۔ حکومت کہتی تھی کہ امیر شریعت کے قادیان جانے سے امن و امان کو خطرہ ہے اس لئے پابندی ضروری ہے!

ماسٹر جی نے اس مسئلہ کو اپنے ناخن تدبیر سے اس طرح حل کیا کہ غیر تو غیر اپنے بھی ماسٹر جی کی ذہانت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ جس دن شاہ جی کے قادیان میں داخلہ پر پابندی کا آخری دن تھا قادیان کے قریب ایک موضع بھانبرڑی میں شاہ جی کا جلسہ رکھ لیا۔ رات کو گرد و نواح کے ہزارہا لوگ شاہ جی کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہونے کے لئے جوق در جوق جلسہ گاہ میں جمع ہو گئے۔ حضرت امیر شریعت بھی احرار رضاکاروں کے جلوس میں لاری کے ذریعہ بٹالہ سے تشریف لائے۔ رات کو اپنے مخصوص انداز میں لوگوں سے خطاب فرمایا۔ تقریر سے فارغ ہو کر جس لاری سے آئے تھے اسی پر بٹالہ واپس جانے کے لئے سوار ہوئے۔ لیکن ماسٹر جی نے اپنی حکمت عملی کے تحت بغیر کسی پر ظاہر کئے لاری کے ڈرائیور کو بٹالہ جانے کی بجائے قادیان جانے پر آمادہ کر لیا۔ حضرت امیر شریعت اور ماسٹر جی کی قیادت میں یہ قافلہ قادیان کی حدود میں داخل ہوا تو شاہ جی نے ماسٹر

جی سے پوچھا کہ یہ کس نئے راستے سے آپ بٹالہ لے آئے ہیں یہ وہ راستہ تو نہیں جس سے کل ہم گئے تھے تو ماسٹر جی نے بتایا حضرت یہ قادیان ہے اور وہ سامنے مرزا بشیر الدین کا قصر خلافت ہے یہ دیکھ کر حضرت امیر شریعت بہت ہی مسرور ہوئے۔

لاری شہر میں داخل ہو گئی۔ شاہ جی کو ایک محفوظ مکان میں ٹھہرایا گیا۔ یہ خبر پورے قادیان میں آناً فاناً پھیل گئی لوگ حضرت امیر شریعت کی زیارت کے لئے جوق در جوق آنے لگے شہر میں جلسہ عام کا اعلان کر دیا گیا۔ نماز ظہر کے بعد جلوس کی شکل میں شاہ جی کو قصر خلافت والی گلی سے گذار کر جلسہ گاہ لے جایا گیا۔ یہ دوسری شکست و ذلت تھی جو مرزائیوں اور حکومت کو اٹھانا پڑی۔ شاہ جی نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے جھوٹی نبوت اور اسکی ذریت کو ببانگ دہل للکار کر کہا کہ میں اور میری جماعت سارقانِ ختم نبوت کا محاسبہ اور مقابلہ اپنے ایمان کا جزو سمجھتے ہیں ہم نے تیرے باپ کو نبی بنانے والی حکومت کو برداشت نہیں کیا۔ بشیر الدین تیری خلافت؟ کیا پدی اور کیا پدی شوربہ کے مترادف ہے۔ ہمت ہے تو آؤ میں تیرے شہر میں ہوں اور تو بیٹھا میری آواز بھی سن رہا ہے! لیکن میں کہتا ہوں کہ تو بخاری تو کیا میرے ایک رضاکار کے سامنے بھی دم نہیں مار سکتا۔

جلسہ بخیر خوبی ختم کر کے حضرت امیر شریعت اسی لاری کے ذریعہ باقی ساتھیوں کے ہمراہ بٹالہ تشریف لے گئے۔

اس طرح ماسٹر تاج الدین انصاری کے حسن تدبر اور ذہانت سے شاہ جی کی قادیان میں داخلہ سے بدامنی کے جھوٹ کی قلعی کھل گئی جس سے مرزائیوں کے ایماء پر بار بار پابندی لگانے والی حکومت کو بھی خفت اٹھانا پڑی۔ (جاری ہے)

عظیم مجاہد آزادی — فدائے احرار

مولانا محمد گل شیر شہید

سوانح و افکار و خدمات

صفحات ۴۰۴

مؤلف: محمد عمر فاروق

قیمت: ۱۵۰ روپے

بخاری اکیڈمی، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان: فون: ۵۱۱۹ ۶۱